قیمت: ۴۰ روپے

پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1098 | بدھ 20 ذوالقعدۃ 1445ھ مطابق 29 مئی 2024

فضا میں لبیک کی صدائیں!

روزِ محشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

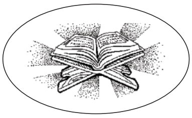

خوشی کا اظہار

تو وہ (حضرت سلیمان علیہ السلام) اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر ادا کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تُو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں داخل فرما۔

(سورۂ نمل: آیت ۱۹)

الحدیث

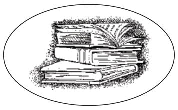

اللہ کی رضا کے تین کام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین کاموں سے اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہوتے ہیں۔ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں کہ تم خالصتاً اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔''

(مسلم)

مولانا مفتی محمد ابراھیم صادق آبادی

مکڑی کو مارنے کا حکم:

سوال: مکڑیاں عموماً دو قسم کی نظر آتی ہیں (۱) بھوری نازک دھڑ اور نازک ٹانگوں والی۔ (۲) سیاہی مائل مناسب دھڑ ٹانگوں والی۔ بعض لوگ کہتے ہیں سیاہی مائل مکڑی کو مارنا نہیں چاہیے کیونکہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کے لیے غار کے منہ پر جال تن دیا تھا، کیا یہ صحیح و ثابت ہے؟ (بنات عبدالرحمن)

جواب: یہ تفصیل کہیں نظر سے نہیں گزری، مکڑی کسی کے گھر جالا تن دے تو اسے صاف کرنے اور مکڑی کو مارنے کا حکم ہے۔ باقی ہجرت کے موقع پر غار کے منہ پر مکڑی کے جالا تننے اور کبوتر کے انڈے دینے والی بات لوگوں میں مشہور ہے۔ بعض کتابوں میں بھی درج ہے، لیکن محققین کی تصریح کے مطابق یہ دونوں روایتیں کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں۔

چوڑی دار پاجامہ، غرارہ اور ساڑھی کا استعمال:

سوال: خواتین کا چوڑی دار پاجامہ، غرارہ اور ساڑھی (اگر فل آستین والی ہو) پہننا کیسا ہے؟

جواب: مسلمان مرد و عورت کے لباس میں جن باتوں کا لحاظ ضروری ہے ان میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ وہ ساترِ بدن ہو، یعنی کپڑا اس قدر دبیز اور لباس اس قدر ڈھیلا ہو کہ بدن اس میں پوری طرح چھپ جائے۔ چوڑی دار پاجامہ اس قدر تنگ اور چست ہوتا ہے کہ اس سے مخفی اعضاء کا حجم اور ان کی بناوٹ صاف طور پر دکھتی ہے، بالخصوص نشست و برخاست اور حالت سجدہ میں یہ منظر نہایت کریہ اور ناقابل دید ہوتا ہے۔ پس ایسا لباس پہننا جائز نہیں اور اس میں پڑھی گئی نماز واجب الاعادہ ہے، البتہ اس تنگ پاجامہ پر لمبا کرتہ پہن لیا جائے یا بڑی چادر اوڑھ لی جائے تو اس میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔ غرارہ میں چونکہ یہ خرابی نہیں پائی جاتی اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ ساڑھی اگر اس طرح استعمال کی جائے کہ پورا جسم اس میں چھپ جائے اور کسی طرح بے پردگی نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے ورنہ ناجائز۔

عورتوں کے لیے بال کاٹنا:

سوال: بعض اوقات لڑکیوں کے بال نیچے سے پھٹ جاتے ہیں اور شاخیں نکل آتی ہیں۔ کیا بال بڑھانے کی نیت سے ان شاخوں کو انچ دو انچ تک کاٹنا جائز ہے؟ (ایک بہن)

جواب: جہاں سے پھٹ کر شاخیں نکلتی ہیں وہاں سے کاٹنا جائز ہے۔ اس سے اوپر کاٹنا جائز نہیں۔

نابالغ کا ہدیہ:

سوال: سورۃ نساء کی چھٹی آیت میں یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا گیا ہے، ہماری کچھ یتیم سہیلیاں ہیں، وہ تحفہ یا ہدیہ کے طور پر کوئی چیز دیں اور اصرار کریں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے قاری صاحب کہتے ہیں قبول کر لیں۔ پھر کسی بہانے اس کی قیمت ان کو لوٹا دیں۔ (ایک بہن)

جواب: اگر سہیلیاں بالغہ ہیں تو ان سے تحفہ لینا جائز ہے اور نابالغہ ہیں تو جائز نہیں۔ شرعاً نابالغ بچے بچی کی رضا کا بھی اعتبار نہیں، لہٰذا وہ خوشی سے چیز دیں تو بھی قبول کرنا جائز نہیں، زیادہ اصرار کریں تو شرعی مسئلہ بتا کر (کہ آپ سے کچھ لینا جائز نہیں) معذرت کر دیں۔

غسل میں کانوں کے سوراخ دھونے کا حکم:

سوال: عورت پر غسل فرض ہو تو بالیوں کے سوراخوں تک کس طرح پانی پہنچائے؟ نیز اگر بالیاں نہ پہنی ہوں خالی سوراخ ہوں تو ان میں پانی پہنچانے کا کیا طریقہ ہے؟ (ایضاً)

جواب: کانوں میں بالیاں پہنی ہوئی ہوں یا خالی سوراخ ہوں دونوں صورتوں میں اگر ہلائے بغیر صرف اوپر پانی بہانے سے سوراخوں میں پانی پہنچ جاتا ہو تو ہلانا ضروری نہیں، صرف کانوں پر پانی بہا دینا کافی ہے اور اگر ہلائے بغیر پانی نہ پہنچے تو ضروری ہے کہ پانی ڈالتے ہوئے انہیں ہلائے اور نرمی سے ملے، بس اسی قدر کافی ہے، اس تکلف کی ضرورت نہیں کہ تنکے یا تیلی وغیرہ کے ذریعے ان میں پانی پہنچائے۔

شرک اصغر و اکبر کا حکم:

سوال: شرک اصغر اور شرک اکبر میں کیا فرق ہے؟ کیا دونوں کے ارتکاب پر انسان کافر و مشرک ہو جاتا ہے اور جنت اس پر حرام ہو جاتی ہے؟

جواب: بہت سے گناہوں کو احادیث میں کفر یا شرک سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے ترک نماز، ریا کاری کی عبادت، مسلمان بھائی کو دشمن کہنا، مسلمان سے لڑنا، انتقام کے خوف سے سانپ کو قتل نہ کرنا، مخصوص ایام میں بیوی کے پاس جانا، شوہر کی ناشکری، اپنے حقیقی والد کی طرف نسبت سے عار و انکار وغیرہ، ان معاصی پر زجراً و تغلیظاً کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ تمام گناہ قابل معافی ہیں۔ ان کے ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اہل علم کی اصطلاح میں اس قسم کے گناہوں کو کفر دون کفر، شرک اصغر یا شرک خفی وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی وعید اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ ... صرف اس شخص کے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرائے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

"یہ گھر بہت خوب صورت ہے۔ صاف ستھرے دروازے اور دیواریں۔ لگتا ہے ابھی بنا ہے۔ میں تو یہی کرایہ پر لوں گی۔ اتنے گھر دیکھے مگر یہ سب سے خوب صورت ہے۔ ہر لحاظ سے میرے خاندان کے لیے موزوں ہے بس اسی کو فائنل سمجھیں۔"

عابدہ نئے گھر کی خوب صورتی میں گم ہوگئی۔

بیعانہ ادا ہوگیا اور چھ ماہ کا ایڈوانس کرایہ دے کر وہ نئے گھر میں شفٹ ہوگئی۔ ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ دیواروں پر سیلن آگئی۔ دروازے آوازیں دینے لگے۔ باتھ رومز کے پائپ لیک کرگئے۔ اور کچن میں موجود اوون کھولنے پر معلوم ہوا کہ وہ اندر سے گلا ہوا ہے گیزر بے کار ہوگیا اور ہیٹر خراب۔

وہ مجھے اپنے غم کی داستان سنا رہی تھی اور میں اپنے خیالوں میں کھوگئی۔

کیا ہم بھی ایسے ہی نہیں؟ خوب صورت گھر کی طرح ظاہری ٹیپ ٹاپ کا خوب خیال رکھتے ہیں مگر کوئی دل میں جھانکے تو معلوم ہوتا ہے کہ بغض اور کینے سے دل کی دیواریں سیلن زدہ ہیں۔ صبر اور حوصلے کے پائپ لیک ہوچکے ہیں۔ حیا اور پاکیزگی کا پینٹ اکھڑ چکا ہے۔ اخلاق کا گیزر دلوں کو گرمانے کے بجائے سرد مہری کی تعلیم دیتا ہے۔ ہماری شخصیت مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

دور سے دیکھنے میں بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن برتنے میں ساری خوبیاں عیبوں میں بدل جاتی ہیں اور ہم اس پر بھی مطمئن اور خوش ہیں۔ بحیثیت مسلمان کوئی ہمارے قریب آتے آتے دور ہوجاتا ہے اور پھر اتنا دور ہوجاتا ہے کہ مسلمان کے دوغلے پن سے اسے چڑ ہوجاتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اصلاح احوال کے لیے کوئی تیار نہیں۔ دوسروں پر تو سب انگلیاں اٹھاتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں کوئی نہیں جھانکتا۔ بلاشبہ اسلام کا صحیح تصور غیر مسلموں کے دلوں میں پیدا نہ کرنا یا دیگر مسلمانوں کے دلوں میں پیدا نہ کرسکنا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ظاہر اور باطن ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دیتے۔ ظاہر پاک اور باطن ناپاک، ظاہر صاف اور باطن گندا، ظاہر خوش رنگ، اور باطن بے رنگ، ظاہر خوش پوش ور باطن بے لباس۔

آئیے آج سے ہم عہد کریں کہ اپنے ظاہر اور باطن کو تمام آلودگیوں سے پاک رکھنے کی سعی کریں گے۔ اور سب سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح کی طرف توجہ دیں گے۔ انگلیاں اٹھانے اور تنقید کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر میری ذات کی اصلاح ہوگئی تو ان شاء اللہ تمام معاشرے کی اصلاح خود بخود ہوجائے گی چوں کہ معاشرہ فرد سے ہی بنتا ہے۔

نورِ اسلام

ان کے سنگ

اثر جونپوری

اسی کو اہلِ زمانہ پکارتے ہیں ملنگ
بنامِ پیری فقیری پھرے جو ننگ دھڑنگ
خدا کے پیارے لڑاتے نہیں ہیں مرغ و بٹیر
خدا کے پیارے اڑاتے نہیں حمام و پتنگ
خدا کے پیارے تو آہ فغاں کے خوگر ہیں
خدا کے پیارے بجاتے نہیں رباب و چنگ
خدا کے پیارے رچاتے نہیں ہیں زہد کا ڈھونگ
خدا کے پیاروں کا ہوتا ہے کچھ الگ ہی ڈھنگ
خدا کے پیارے تو کرتے ہیں پیار بندوں سے
خدا کے پیارے نہیں کرتے ہیں کسی کو تنگ
خدا کے پیارے نہیں ہوتے کجروی سے خوش
خدا کے پیاروں کی ہوتی ہے ہر گناہ سے جنگ
خدا کا پیار سرایت کرے رگِ جاں میں
خدا کے پیاروں کی ہوتی ہے ایک ہی تو امنگ
خدا کے پیاروں کی باتیں فقط سنی ہیں ابھی
خدا کے پیاروں کو دیکھیں تو آپ ہوں گے دنگ
خدا کے پیارے نہیں جانتے ہیں روباہی
خدا کی راہ میں ہوتے ہیں وہ مثالِ پلنگ
خدا کا پیارا اثر آپ کو بھی بننا ہے
تو رہ کے آپ بھی دیکھیں کبھی تو ان کے سنگ

☆☆☆

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد
مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان
مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

"خواتین کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے، دو میگزین 28000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

خولہ غضنفر اللہ

فضا میں لبیک کی صدائیں! (۱)

نجانے کیوں برسات کا موسم بڑا سنجیدہ ہوا کرتا ہے۔ خاص طور پر رات کو بارعب خاموشی میں ننھے ننھے قطروں کا شور دل و دماغ پر حاوی ہو کر دل کا پیالہ اداسی کے جام سے چھلکنے لگتا ہے۔ اسی طرح کی ایک شب میرا تکیہ اور فرش ایک ساتھ سیراب ہو رہے تھے۔ ابر باراں اور اشک ہجراں کی رفتار یکساں تھی۔ آنکھیں اور بادل گویا کسی مسابقے کا حصہ تھے۔ اب تو جدائی روح تک کو زخمی کیے دے رہی تھی۔

چوکھٹ پہ مچلنے کو بے تاب سوالی ہے
اشکوں کی ہیں برساتیں فریادِ بلالی ہے

رو رو کے ہچکیاں بندھ رہی تھیں۔ نجانے کب سسکتے بلکتے دل کو قرار ملا اور آنکھوں نے پلکوں کی رِدا اوڑھ لی۔

یہ آج کی بات تو نہیں تھی یہ غم تو پانچ سال کی عمر سے سینے میں گھر کیے بیٹھا تھا۔

بچپن کی بات ہے، کسی کے گھر دادی جان کے ساتھ گئی، معلوم ہوا یہ تین خواتین مدینے کی رہائشی ہیں۔ رشک آمیز جذبات کے ساتھ آخر مجلس تک بس اُن کے چہرے تکتی رہی۔ پچھلے دنوں امی کے ساتھ ان کی شاگردہ کو بیٹے کی ولادت کی مبارکباد دینے گئی تو وہ بتانے لگی کہ میں جب حج روانگی سے پہلے باجی سے ملنے آئی تھی، تب تم چھوٹی سی تھیں اور بار بار مجھے کہہ رہی تھی کہ باجی میرے لیے دعا کیجیے گا، میں وہاں خود جا کر اپنی ساری دعائیں قبول کرواؤں۔ انھوں نے آنکھیں پونچھتے ہوئے بتایا کہ ہر موقع پر مجھے وہاں تم یاد آتی رہیں اور میں تمھارے لیے دعائیں کرتی رہی کہ اتنی سی بچی کے جذبات کتنے پاکیزہ ہیں، اور یقین جانیں کہ میں واقعی اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے یہ بات بالکل یاد نہیں ہے۔

میں منتظر ہوں کبھی کو آشنا مجھ سے
کہے بطرز تعجب کہ تو مدینے میں؟

رفتہ رفتہ آتشِ شوق سلگتے لاوے کی شکل اختیار کر کے آنکھوں کے راستے بہنے لگا۔ ایک شب خواب دیکھا کہ میں کعبۃ اللہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور سامنے میری قرآن کی کلاس کا مجمع تھا۔

خواب اتنا ہی دیکھا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ خوشی سے آنسو بہنے لگے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار کعبۃ اللہ کو دیکھا تھا۔ سحری کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور قرآن کی تلاوت میں مگن ہو گئی۔ اچانک دروازے کی دستک پر عبداللہ دوڑ کر اس دن کا بچوں کا اسلام اٹھا لایا۔

میں سرورق کو دیکھ کر چونک گئی، جس طرف میں خواب میں بیٹھی تھی بالکل اسی سمت سے کعبۃ اللہ اور مطاف کی تصویر تھی۔ سنت حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے میں نے اس کو نیک فال سمجھا اور سرورق تحریر کو پڑھنا شروع کیا۔ فضیل فاروق بھائی نے ایک وظیفہ درج کیا ہوا تھا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۷، ۴۰ مرتبہ چالیس روز پڑھنے سے اسی سال دیارِ مقدس میں حاضری نصیب ہو گی باذن اللہ!

میں نے تو اس وظیفے کو سفر کی تمہید جان کر اسی دن سے پورے یقین سے پڑھنا شروع کر دیا، پھر ایک شب میرے دو پیارے شاگردوں کی والدہ نے خواب دیکھا کہ میں طواف کر رہی ہوں۔ اس کے ایک ماہ بعد خالہ زینب کا بلاوا آیا تو میں نے انھیں کہا:

''باجی! آپ کا آدھا خواب پورا ہو گیا ہے، بقیہ تعبیر جلد پوری ہونے کی دعا کیجیے۔''

خالہ نے مکہ مکرمہ سے میسج پر بتایا کہ کعبۃ اللہ پر پہلی نظر ڈالتے ہی جو پہلی دعا مانگی ہے وہ تمھاری حاضری کی دعا تھی۔

اللہ جزائے خیر عطا کریں۔ میں ان احسانات کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتی۔ مجھے یقین تھا کہ اس برس ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور میری حاضری ہو گی، سو میں نے احکام و مسائل کے بارے میں پڑھنا شروع کر دیا، خصوصاً مفتی انعام الحق قاسمی کی کتاب حج و عمرہ کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا چاروں حصے پڑھے۔ بے حد جامع و سہل انداز میں لکھی گئی ہے۔ مجھے بے حد فائدہ ہوا اس کتاب کے مطالعے سے۔

بنا پڑھے سیکھے، وہاں جانا تو بغیر وضو، نماز ادا کرنے کے مترادف ہے کہ عمل بھی کیا مگر ضائع گیا۔ 'حج کیسے کریں، حج، عمرہ کی حفاظت کیجیے' مختصر کتابچے عامرہ آپی جان کے حج و عمرے کی اصل روح سے آشنائی دیتے ہیں۔ یہ کتابچے ان عبادات کے روحانی مقاصد کے حصول کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وآلہ وسلم از مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کئی بار پڑھی ہوئی کتاب ایک مرتبہ پھر سے دہرائی جو کہ ہر زائر کے لیے ازحد ضروری ہے۔ اللہ رب العزت کا بے حد احسان کہ انھوں نے مجھ سے بہترین کتب کا انتخاب کروایا۔

اور پھر ہمارا کام اتنا جھٹ پٹ ہوا کہ یقین نہ آتا تھا۔ پاسپورٹ آتے ہی اسی دن ٹکٹ اور ویزہ بھی لگ گیا الحمدللہ! قصہ مختصر کہ آخرکار وہ دن بھی آ گیا جب ہماری ملتان ہوائی اڈے سے روانگی تھی۔

بہت دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اتنے اکھڑ رویے اور درشت لہجے والا عملہ میں نے کسی ہوائی اڈے پر نہیں دیکھا یا شاید انھیں باپردہ و باشرع حلیے والوں کے ساتھ خصوصی رویے سے رہنا ہوتا ہے! بہرحال تلاشی کے طویل مرحلوں سے نکل کر میں اور ابو جب اکٹھے ہوئے تو میں نے انھیں اطلاع دی کہ میرے پرس سے چھوٹی قینچی نکال لی گئی ہے۔

''بیٹا! کس عقلمند نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ قینچی اپنے ہینڈ بیگ میں رکھنا، خیر جو ہو گیا سو ہو گیا کوئی بات نہیں۔''

ابو جی نے بڑے ہی انداز سے میری ذہانت کو داد دیتے ہوئے کہا۔

دراصل ابو جی کا اصول ہے کہ بازار بھلے مکہ و مدینہ کے بھی کیوں نہ ہو، وہاں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے گھر سے ہی تمام ضروری اشیا ہمراہ لے لی جاتی ہیں۔

''آپ نے مجھے یاد دلانا تھا نا کہ میں بڑے بیگ میں رکھ دوں۔''

میرے نزدیک سارا قصور گویا ابو جی کا تھا۔

ہماری ایئر لائن میں سبھی خدمت گار فرنگی تھے۔ برصغیر بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو غلامی کی دیکھی اَن دیکھی زنجیروں میں جکڑنے والے ایک ایک مسافر کے سامنے ادب سے جھکتے، کبھی بیلٹ بندھواتے تو کبھی کھانا پانی پیش کرتے، برتن سمیٹتے دیکھ کر دل کو اچھا لگا۔

ملتان ہی میں احرام سے پہلے دو رکعت مسنون نماز ادا کر لی، پہلی رکعت میں سورۂ

کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھی۔ میقات سے کافی پہلے ہی میں نے اپنا عام نقاب اتارا اور ہیٹ والا نقاب پہن کر عمرے کے احرام کی تیاری کر لی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُ الۡعُمۡرَۃَ فَیَسِّرۡھَا لِیۡ وَ تَقَبَّلۡھَا مِنِّیۡ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡم

اور اس کے متصل ہی تین بار

لَبَّیۡکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیۡکَ، لَبَّیۡکَ لاَ شَرِیۡکَ لَکَ لَبَّیۡکَ، اِنَّ الۡحَمۡدَ، وَ النِّعۡمَۃَ، لَکَ وَ الۡمُلۡکَ، لاَ شَرِیۡکَ لَکَ وَ سَعۡدَیۡکَ وَ الۡخَیۡرُ بیدیۡکَ لَبَّیۡکَ و الرغبا الیک و العمل

پڑھ کر میں حالت احرام میں آ گئی۔

تلبیہ ایک دفعہ زبان سے پڑھنا احرام کے لیے شرط ہے، تین دفعہ سنت ہے۔ زبان سے نہیں کہا تو تلبیہ ادا نہ ہوگا۔ تلبیہ کے بعد درود اور

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ رِضَاکَ وَ الۡجَنَّۃَ وَ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ غَضَبِکَ وَ النَّارِ

پڑھنا مستحب ہے۔

لینڈنگ کے مرحلے میں کیپٹن ڈگلس نے جہاز کو زبردست قسم کی انگڑائی ہی دلوا ڈالی کہ جہاز الٹا ہونے کے قریب ٹیڑھا ہو گیا اور سبھی کے منہ پر ہوائیاں سے اڑنے لگیں۔ میں نے مغفرت کی دعا مانگ کر کلمے کا ورد آہستگی سے جاری رکھا اور ساتھ ہی یہ دعا کہ یا اللہ ابھی نہیں، اس طرح نہیں۔

ایک دو منٹ تو جہاز ڈانواں ڈول ہوتا رہا جیسے ہی خطرے کی حالت ختم ہوئی، سبھی مسافر اپنے اپنے انداز میں کیپٹن کو خراج تحسین پیش کرنے لگے۔

بحمداللہ ہم بخیریت ہوائی اڈے پر اتر گئے۔ باقی کے تمام مراحل سے آسانی کے ساتھ گزرتے ہوئے شہر پر جلال بلد الامین ام القریٰ کی جانب رواں ہو گئے۔ دھڑکنیں بے ترتیب تھیں۔ اپنی کم مائیگی کا احساس بھی تھا، مگر خوش قسمتی پر رشک بھی آ رہا تھا کہ کیا واقعی یہاں اپنے گناہوں کی کالک سمیت مجھے حاضری مل جائے گی؟

آئی ہوں ترے در پر محرومِ نوا بن کر
ٹوٹے ہوئے دل کی اک مغمومِ ادا بن کر

وسیع سڑک تھی پر پروانوں کا ہجوم بیکراں اپنی منزل کی طرف بڑھتا نظر آ رہا تھا۔ ان گلیوں سے سڑکوں سے ایسی اپنائیت محسوس ہو رہی تھی کہ گویا ہم ہمیشہ سے یہیں رہتے ہوں اور تھا بھی ایسا ہی، دل تو سدا سے ان گلی کوچوں کا مکین تھا جنھوں نے کبھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کو چوما تھا۔ قدم آزادانہ و بے خطر اُس حرم کی جانب اٹھتے چلے جا رہے تھے جہاں کبھی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داخل ہونے کے لیے مطعم بن عدی کی پناہ لینی پڑی تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ وَ السَّلاَمُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ ذُنُوۡبِیۡ وَ افۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِکَ پڑھ کر دایاں پیر باب فہد سے اندر رکھا۔

اس دروازے سے داخل ہوتے ہی چونکہ کعبۃ اللہ نظر آ جاتا ہے، تبھی میں نظریں جھکائے وہاں سے گزر کر جانبِ مطاف چلتی جا رہی تھی۔ ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ میں ایک مجرم کی

حیثیت سے دربارِ عالی میں پیش ہونے جارہی تھی۔

رقصاں ہیں مرے آنسو سانسوں میں ہے بے تابی
تیری ہی نوازش ہے یہ راہ بھی دکھلا دی

ترکی برآمدہ پار کرکے میں آگے بڑھتی گئی۔تقریباً آدھے مطاف میں طواف ہورہا تھا اور باقی جگہ مرد، عورتیں اور بچے بیٹھے نظر آرہے تھے۔شاید یہ میری پہلی ضیافت کے طور پر تھا کہ اللہ نے رش کم کردیا یا پھر مجھے کم دکھایا۔

میں نے اپنی نظر اس جانب اٹھائی جس کے ہجر نے میری آنکھوں کو پانی کرڈالا تھا۔

اے کاش!اس منظر کو کبھی تصویر میں نہ دیکھا ہوتا۔تمام تر جذبات آج روبرو لٹائے جاتے تو کیا ہی عالم ہوتا؟اللہ کی قسم مجھے بہت افسوس تھا اس بات کا۔

نظر پڑتے ہی ہر طرف خاموشی کا راج نظر آیا۔مجھے لگ رہا تھا صرف میں ہوں بیت اللہ ہے اور میں رب البیت کے سامنے حاضر ہوں۔

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے

حواس بحال ہوتے ہی

اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ، فحینا ربنا بالسلام، اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفاً وَّتَعْظِیْماً وَّتَکْرِیْماً وَّمَھَابَةً...

پڑھ کر سب سے پہلے اپنے پیارے رب کی تعریف کی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت فرمائی ہوئی وسیلے کی درخواست کی۔اس کے بعد ابو اور امی جی کے لیے دعا کی۔ابو جی کا مجھ پر بڑا احسان تھا کہ ظاہری اسباب میں میری حاضری کی وجہ وہی بنے تھے اور امی جی کی قربانی تھی کہ انھوں نے باقی بچوں کی وجہ سے مجھے گھر نہیں روکا بلکہ میری وجہ سے ایثار کیا، اگرچہ یہ ان کے لیے گراں تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والدین کے بعد میں نے اپنے قریبی سہیلی حبیبتی اختی عائشہ کے لیے دعا کی، کیونکہ میرا اتنا طویل پہلا سفر تھا جس میں عائشہ ہمراہ نہ تھی۔وہ مجھے قدم قدم پر یاد آتی رہی۔اللہ اسے بہت جلد میری دعاؤں سے حاضری نصیب کرے گا ان شاء اللہ! (جاری ہے)

☆☆☆

بنتِ احمد

قضا روزے

”بھابی! کیا آپ ہمیشہ اسی طرح روزہ رکھتی ہیں؟“سحرش نے اپنی بھابی سے سوال کیا۔

”ہاں! مجھے اچھا لگتا ہے۔“

عائشہ نے مختصر جواب دیا۔

عائشہ کی شادی کو سال ہونے والا تھا۔یہ مختصر فیملی تھی۔الیاس صاحب کے دو بیٹے، دو ہی بیٹیاں تھیں۔عائشہ بڑے بیٹے سے بیاہی تھی۔وہ گھر کی پہلی بہو تھی، باقی بچے ابھی غیر شادی شدہ تھے۔عائشہ بہت اچھے مزاج کی تھی۔نماز کی تو وہ پابند تھی ہی مگر ایک بات پر سب حیران ہوتے تھے کہ وہ روزے بہت کثرت سے رکھتی تھی۔ہر ہفتے پیر اور جمعرات کے نیز ’ایام بیض‘ یعنی ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کے روزے خصوصیت کے ساتھ رکھتی، پھر رجب اور شعبان میں بھی کافی روزے رکھتی۔اس کے ساتھ گھر کے کام کاج بھی خوش اُسلوبی سے سرانجام دیتی۔

سحرش بھابی کا ذوق وشوق دیکھ کر بہت حیران ہوتی تھی۔خود تو وہ رمضان میں جو روزے قضا ہوتے، وہ موسم ٹھنڈا ہوتا تھا تو تبھی رکھتی تھی۔

وہ پیر کا دن تھا۔حسب معمول عائشہ کا روزہ تھا، سب خواتین بیٹھی تھیں کہ اچانک سحرش نے اسے مخاطب کیا:”بھابی! آپ کے تو سارے قضا روزے ادا ہو گئے ہوں گے؟“

”قضا روزے؟“

عائشہ نے حیرت سے سوال کیا:

”کیا مطلب؟ کون سے قضا روزے؟ کیا روزوں کی قضا بھی ہوتی ہے؟“

عائشہ نے حیرت سے کہا تو سب خواتین چونک گئیں۔

”کیا مطلب بیٹا! رمضان میں جو روزے شرعی معذوری کی وجہ سے چھوٹ جاتے ہیں تو اُن کی قضا تو رکھنی ہوتی ہے ناں!“امی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

”لیکن امی! نماز تو ’اُن دنوں‘ معاف ہوتی ہے تو رمضان کے روزے بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ہمیں تو یہی پتا ہے، کبھی رکھے ہی نہیں۔میں تو نفل روزے رکھتی ہوں کہ مجھے شوق ہے روزے رکھنے کا۔“

عائشہ کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

”نہیں بیٹا نماز معاف ہوتی ہے روزے نہیں! حیرت ہے کہ تمھیں کسی نے بتایا نہیں کہ رمضان کے بعد یہ روزے ادا کرنا ضروری ہیں۔“

”اچھا میں نے جو روزے رکھے ہیں وہ قضا میں شمار نہیں ہو سکتے؟ مجھے تو یہ بات معلوم نہیں تھی ناں۔“

”نہیں بیٹا! ایسا نہیں ہوسکتا، نماز کی طرح روزے میں بھی نیت ضروری ہوتی ہے۔نفل روزے کی نیت ہوگی تو قضا روزہ ادا نہیں ہوگا۔خیر اب سے جو بھی روزے رکھو، اس میں اپنے قضا روزوں کی نیت کرنا۔وہ ذمے میں ہیں تو پہلے انھیں ادا کرنا ضروری ہے۔ایک کاپی میں شروع سے اب تک اپنے تمام فرض روزے جو رمضان میں چھوٹ گئے، وہ اندازے سے لکھو، اور پھر جو رکھتی جاؤ تو انھیں لکھتی جاؤ۔“

امی نے تفصیل سے جواب دیا۔

عائشہ نے سر ہلایا اور بولی:

”امی! میری طرح شاید اور بھی لڑکیاں ہوں گی جنھیں یہ بات نہیں معلوم ہوگی۔“

”صحیح کہہ رہی ہو۔بہت اہم بات ہے اور افسوس کہ ہم ان مسائل کو سیکھتے ہی نہیں۔اسی لیے دین کا علم سیکھنا فرض ہے کہ دین اسلام کے بنیادی مسائل تو سیکھے۔اللہ تعالیٰ ہمیں سیکھنے سکھانے کی توفیق دے۔“

”آمین ثم آمین۔“سب بول اٹھے۔

☆☆☆

بس میدانِ حشر سجنے دو!

محمد شاھد فاروق

اسلامی سلطنتوں کی دستاریں سر پر سجانے والو! مسلمانوں کے حقوق کے لیے تنظیمیں بنا کر عہدے سنبھالنے والو! انسانی حقوق کا پرچار کرنے والو! جانوروں اور پرندوں کی جانوں کو قیمتی بنا کر ان کے شکار پر پابندی کا مطالبہ کرنے والو! بھوکے پرندوں کے لیے اپنی چھتوں پر خوراک کا بندوبست کرنے کا درس دینے والو!

اہلِ غزہ تم سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ جب تم اپنے جگر گوشوں کو پیار کرتے ہو تو تمھیں غزہ کے ان معصوم پھولوں کا خیال نہیں آتا؟ جنھیں کھلنے سے پہلے ہی بے دردی سے مسلا جا رہا ہے۔ جنھیں دودھ کی جگہ بارود دیا جا رہا ہے۔ جب تم اپنی لاڈلی بیٹیوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہو تو تمھیں غزہ کی وہ بیٹیاں دکھائی نہیں دیتیں؟ جن کے سروں سے ان کے سائبان چھین لیے گئے ہیں۔ جب تم اپنے بھائیوں سے گلے ملتے ہو تو غزہ کے ان نوجوانوں کا خیال نہیں آتا؟ جن کی بانہوں میں اپنے بھائیوں کی لاشیں ہیں۔ تمھیں وہ مائیں نظر کیوں نہیں آتیں جو اپنی گود میں دو، دو شہید ہونے والے جگر گوشے لیے فریاد کر رہی ہیں۔ اس ماں کی تڑپ دیکھ کر نہ تمھاری آنکھ نم ہوتی ہے اور نہ ہی اس ظلم کے خلاف تمھارے حلق سے کوئی لفظ نکلتا ہے۔ تمھیں اس باپ کے دکھ کا اندازہ نہیں ہوتا، جو اپنے جوان بیٹوں کی لاشوں کے قریب کسی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔ جب تم اپنا دسترخوان سجاتے ہو تو تمھیں بھوک اور پیاس سے بلکتے غزہ کے بچوں کا خیال نہیں آتا؟ غیروں کے ملکوں میں ذرا سے زلزلے پر امدادی سامان کے جہاز بھر بھر کر بھیجنے والو! کیا تمھیں غزہ کے برباد ہوتے شہر نظر نہیں آتے؟ کیا تنکوں کی طرح بکھرتی غزہ کی عمارتیں تمھاری نظروں سے اوجھل ہیں؟ فضا میں اہلِ غزہ کے جسموں کے اڑتے ہوئے اعضا دکھائی نہیں دیتے؟

ایک ملالہ کے ذرا سے زخمی ہونے پر احتجاج کر کے آسمان سر پر اٹھانے والو! ذرا یہ تو بتاؤ کہ غزہ کی شہید ہونے والی ہزاروں ملالائیں تمھیں نظر کیوں نہیں آتیں؟ کیا ان کی جان کی کوئی اہمیت نہیں؟ کیا تمھیں غزہ میں بے گھر اور بے یارومددگار پڑی اللہ کی مخلوق نظر نہیں آتی؟ شکار کے شوق پر کروڑوں ضائع کرنے والو! صہیونی محلوں کا شکار ہو کر تڑپتے اہلِ غزہ تمھیں نظر نہیں آتے؟

بس اتنا بتا دو کہ وہ اخوت کہاں گئی جو کابل میں کانٹا چبھنے پر ہندوستان کے ہر پیر و جواں کو بے تاب کر دیتی تھی؟ وہ جذبہ کہاں دفن ہو گیا جو بتاتا تھا کہ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے!

اگر تم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو رات کو بستر پر لیٹتے وقت تمھارے ضمیر نے تمھیں کبھی نہیں جھنجھوڑا کہ اقصیٰ کے پڑوسیوں پر کیسے کیسے ستم ڈھائے جا رہے ہیں؟ خدارا اس ہونے والے مظالم پر اپنی آواز بلند کرو اور اپنے حصے کا دیا جلاؤ ورنہ یاد رکھو حشر میں یہی معصوم ہمارا گریبان پکڑ پکڑ کر جھنجھوڑیں گے اور سوال کریں گے کہ بتاؤ کیا ہم مسلمان نہیں تھے؟ کیا ہم ملت کا حصہ نہیں تھے؟ کیا ہماری مدد کرنا تمھارا فرض نہیں بنتا تھا؟ کیا معصوم بچوں پر بارش کی طرح برستا بارود تمھیں نظر نہیں آتا تھا؟ کیا تمھارے سینوں میں دل نہیں تھا؟

اگر تم اسے تماشا سمجھتے ہو تو حشر میں ہم اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ وہ تمھیں ایسا ہی تماشا بنا دے اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارا رب تمھارا تماشا ضرور بنائے گا اور وہ تماشا ہم بھی دیکھیں گے۔

چلو ہمیں چھوڑو بس اتنا بتا دو کہ کیا قبلہ اول صرف ہمارا ہے؟ کیا مسجد اقصیٰ سے تمھارا کوئی تعلق نہیں؟ کیوں تمھاری زبانوں پر قفل پڑ گئے؟ کیوں تمھارے کانوں میں سیسہ بھر گیا؟ کیوں تمھاری آنکھوں پر مفادات کی پٹی بندھ گئی؟ کیوں تمھارے سینوں میں دل کی جگہ پتھر سج گئے؟ کیوں تمھاری عقلوں پر پردے پڑ گئے؟ کیا تم نے مرنا نہیں؟ کیا تم نے حشر میں حساب نہیں دینا؟

یاد رکھو جس طرح ہم ایک قبر میں سیکڑوں کی تعداد میں دفن ہو رہے ہیں، اسی طرح ہم سینکڑوں کی تعداد میں اٹھ کر حشر میں تم میں سے ہر ایک کا گریبان پکڑیں گے، ہم اپنے ایک ایک زخم، ایک ایک سسکی، ایک ایک آنسو اور ایک ایک دکھ کا حساب لیں گے۔ اگر ہمارے رب نے ہمیں اختیار دیا اور یقیناً ہمارا رب ہمیں اختیار ضرور دے گا تو ہم تمھیں بتائیں گے کہ بارود سے اعضا کیسے کٹتے ہیں؟ دَم کیسے گھٹتا ہے؟ اپنے سامنے اپنے مرتے ہیں تو کیسا لگتا ہے؟

ہاں بس میدانِ حشر سجنے دو!

☆☆☆

شادی کے بعد....!

شادی کے بعد گُل خان اور چودھری صاحب کی ملاقات ہوئی۔ دونوں بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کی شادی شدہ زندگی کا حال پوچھنے لگے۔ سناؤ! کیسا گزر رہا ہے لائف؟ گل خان نے پوچھا۔ چودھری صاحب کا جواب: الحمدللہ سب فٹ ہے۔ آپس میں بہت انڈرسٹینڈنگ ہے۔ صبح ہم دونوں مل کر ناشتہ بناتے ہیں، پھر باتوں باتوں میں برتن دھو لیتے ہیں، پھر مل بانٹ کر کپڑے دھو لیتے ہیں۔ کبھی وہ کسی خاص ڈِش کی فرمائش کر دیتی ہے اور کبھی میں اپنی مرضی سے کچھ پکا لیتا ہوں۔ ماشاءاللہ میری بیوی بہت صفائی پسند ہے۔ بس اسی وجہ سے گھر کی صفائی ستھرائی میری ذمہ داری ہے۔

چوہدری نے پوچھا: تم سناؤ خان لالہ، تمہاری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ گل خان: او یارا.... ذلالت تو ہمارا بھی اتنا ہی ہو رہا ہے جتنا تمہارا لیکن ہم کو یوں میٹھے لفظوں میں بیان کرنا نہیں آتا۔

(ام احمد)

روزِ محشر

جبیں چیمہ

وہ مارچ کی ایک خوب صورت صبح تھی۔ وہ صبح کی سیر اور ورزش سے فارغ ہو کر ابھی گھر واپس آئی تھی۔ باریک لان کی قمیص پسینے سے تر بتر بدن سے چپکی ہوئی تھی۔ سفید باریک شلوار کا بھی پسینے سے یہی حال تھا۔

وہ گیٹ کے اندر آئی تو باورچی اپنے کوارٹر سے نکل کر باہر آ گیا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ نظریں جھکائے اس کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا:

''بی بی! یہ کابل خان ہے، مائرہ بی بی کے باورچی کے گاؤں کا، انھوں نے ہی اسے اِدھر نوکری کے لیے بھیجا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم اسے اپنے ساتھ باورچی خانے میں لے جاؤ، میں ابھی بات کرتی ہوں۔ شاہ نواز جاگ جائیں پھر اس سے بات کریں گے۔''

وہ لاپروائی سے دوپٹہ اپنے کندھے پر ڈال کر آگے کو بڑھ گئی۔

☆☆

کابل خان صوابی کے کسی گاؤں سے تھا۔ غربت سے تنگ آ کر لاہور کسی دوست کے ذریعے سے 'شاہ نواز' ولا جا پہنچا۔ جہاں شروع شروع میں اس کے لہجے، باتوں، سادگی غرض یہ کہ ہر چیز کی ہنسی اڑائی گئی۔

باورچی خانے میں اُن کے پاس ان کا پرانا باورچی تھا، جو کہ کھانا پکانے میں اچھی مہارت کے ساتھ ساتھ ڈرائیور بھی تھا۔ اپنا کام ختم کر کے کبھی کبھی وہ گھر کی جھاڑ پونچھ بھی کر دیتا۔ کابل خان کو اوپر کے کام کرنے کے لیے رکھا گیا تھا۔

وہ پہلے دن گھر میں داخل ہوا تو گھر کے ساز و سامان اور آرائش کو دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ وہ کپڑے سے ڈرائنگ روم کی چیزوں کو جھاڑتے ہوئے جب عورتوں کے مجسموں کے پاس پہنچا تو شرم سے وہیں گڑ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ہاتھ کانپنے لگے۔

''ناصر بھائی!'' اس نے کپکپاتی آواز میں پرانے باورچی کو آواز دی۔ ''اِدھر آؤ۔''

''کیا ہوا؟'' ناصر چائے دانی میز پر رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہم ان کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔''

اس نے عورتوں کے مجسموں کی طرف اشارہ کیا، جو مختلف انداز میں عورت کی نمائش کرتے نظر آ رہے تھے۔

ناصر نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر ہنسی دباتے ہوئے بولا: ''اچھا تم ان کو چھوڑ دو، میں خود کر لوں گا، باقی چیزیں کر لو۔''

''ناصر بھائی! یہ صاحب لوگوں نے عورتوں کے اس طرح کے بت گھر میں کیوں رکھے ہیں؟'' اس شام اس نے ناصر سے پوچھا۔

''مجھے کیا پتا!'' ناصر نے کندھے اچکائے۔

''اُن کے گھر میں بھی عورتیں ہیں۔ صاحب لوگوں کو غیرت نہیں آتی اس طرح کے بت رکھتے ہوئے۔''

وہ پھر بولا، مگر ناصر نے سنی اَن سنی کر دی۔

چند دنوں کے بعد بیگم شاہ نواز کی بھانجیاں چند دن گزارنے ان کے گھر آئیں۔ ٹانگوں سے چپکی ہوئی ٹائٹس اور کرتی میں ملبوس بڑی بیٹی تھی، جبکہ چھوٹی نے عجیب واہیات سا پاجامہ اوپر بغیر بازوؤں کے (ٹاپ) بنیان پہن رکھی تھی۔ تیسری نے گھٹنوں سے اوپر کیپری اور گھٹنوں تک قمیص پہن رکھی تھی۔ دوپٹوں کا تو یہاں ذکر ہی کیا؟

اس دن کابل خان کو ناصر نے شربت کی ٹرے دے کر اندر بھیجا۔ تینوں لڑکیوں کے حلیے دیکھ کر وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور گلاس آپس میں ٹکرانے لگے۔

''او جاہل! منہ کہاں اٹھایا ہوا ہے اور شربت کس طرح دے رہے ہو؟ اوہ مائی گاڈ! یہ خالہ نے نیا جانور کہاں سے رکھ لیا؟'' بڑی بڑبڑائی۔

''ویسے دیکھو ہے کتنا ہینڈسم! اگر اس کی ذرا سی تراش خراش ہو جائے تو ہیرو کی طرح نظر آنے لگے۔''

درمیان والی بڑی کے کانوں میں کہے بغیر نہ رہ سکی۔

وہ جیسے تیسے شربت کی ٹرے رکھ کے واپس باورچی خانے دوڑا۔

''ناصر بھائی، او ناصر بھائی! یہ لوگ تو شاید جلدی میں آ گیا ہے۔''

وہ کانپتی آواز میں بولا۔

''جلدی میں؟'' ناصر سبزی بناتے ہوئے بولا۔

''ہاں جلدی میں! میں نے خود دیکھا۔ ایک بی بی بنیان پہن کے باہر آ گئی۔ جلدی میں قمیص پہننا بھول گئی اور ایک......''

''بس چپ! بے وقوف! کسی کے سامنے ایسی بے تکی نہ ہانک دینا۔''

ناصر نے اسے ڈانٹا۔

باقی دن وہ اُدھر جانے سے کتراتا رہا۔

''ناصر بھائی تم خود جاؤ، ام اور کام دیکھ لے گا۔''

جب بھی فرخندہ کی آواز پڑتی تو وہ ناصر کو بھیجتا۔

جھانپڑ

رات ہوئی اور نیل گگن سے
اندھیاروں کے بادل اترے
کھن سے ''چاند پلنگڑی'' ٹوٹی
بادل کی ''جل گگری'' پھوٹی
آنگن پار کھلے چھجوں سے
سن، سن، سن، سن پچھوا گزری
جھر جھر جھر جھر بارش برسی
زینے نے بھی ٹانگ بھگوئی
کمرے کی چھت پھوٹ کے روئی
دیواروں سے اترا گارا
آناً فاناً بھیگ چلا تھا
بستر، برساتی، گلیارا
کھاٹ کی ادوائن پہ پھم چھا
لیٹ کے رات بتائی
صبح سویرے صحن میں آئی
صحن میں نیم کی پرلی جانب
آم کے چنچل پیڑ کے نیچے
ریتلی مٹی اور کیچل میں
مردہ کوئل ڈھیر پڑی تھی
اور آندھی کا جھانپڑ کھا کے
ٹپکے کا اک آم گرا تھا

☆☆☆

نجمہ ثاقب

"ناصر بھائی! ان کا باپ بھائی ان کو کچھ نہیں بولتا؟"

"او مولوی کے پتر! یہ امیر گھروں کی بچیاں ہیں، او نچے گھرانوں میں یہی چلن ہے۔ تمھاری غیرت تمھیں مبارک، فی الحال یہ برتن جلدی سے دھوؤ۔"

ناصر اس پر بگڑتا۔

شاہ نواز کے گھر میں آئے روز یہ ہنگامے ہوتے رہتے تھے۔ دوست احباب کی پارٹیاں، جس میں پکانے والے اور کھلانے والے باہر سے منگوائے جاتے۔ گھر کے لان میں مصنوعی روشنیوں سے دن کا سماں پیدا کیا جاتا۔ مرد اور عورتیں بے حجاب ایک دوسرے سے ملتے۔ کئی دفعہ کوئی بڑا آدمی کوئی جرنیل، افسر یا بڑا سیاست دان آجاتا تو خواتین اُٹھ اُٹھ کے اُس سے بغل گیر ہوتیں۔

"ناصر بھائی! یہ جو ابھی آیا ہے، یہ بی بی کا بھائی ہے؟"

وہ تجسس کے مارے پوچھتا۔

"اوہ! بھائی کی اولاد، یہ تو کسی کا بھائی نہیں ہے۔ یہ بیبیاں اس کو نہیں اس کے عہدے کو مل رہی ہیں۔"

"لیکن ناصر بھائی! یہ بیبیاں غیر مردوں سے کیسے......؟"

"اوہ مولوی!" ناصر جھنجھلا جاتا۔ "یہ بڑے لوگوں کے طریقے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا کام، ہم نے اپنا کام کرنا ہے اور بس۔"

ان دعوتوں سے کھانا بہت بچ جاتا تھا۔ اگلے دن اُن کے پکانے کی چھٹی ہوتی۔ صاحب اور بیگم دو بجے تک کمرے سے نہ نکلتے اور وہ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی پر فلمیں دیکھتے رہتے۔ شروع شروع میں وہ ان واہیات فلموں اور ڈراموں سے بہت گھبراتا۔ آنکھیں بند کر لیتا، اٹھ کر چلا جاتا مگر پھر آہستہ آہستہ وہ بھی ان کا عادی ہونے لگا۔ بیگم شاہ نواز جمائیاں لیتی، ناکافی لباس میں دونوں ہاتھوں سے، الجھے بکھرے بالوں کو سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی باہر نکلتی۔ ناصر جوس کھڑا اسے اوپر سے نیچے اترتا دیکھتا رہتا۔

نیچے اتر کر وہ اپنے تھکے ٹوٹے جسم کو سنبھالنے کے لیے اسے جوس لانے کا کہتی اور اخبار اٹھا لیتی۔ کبھی کبھار صفائی کرنے والی لڑکی اس کے پیروں پر لوشن لگانا شروع کر دیتی۔ ناصر جوس دینے آتا تو وہ اسے دوپہر کے کھانے کی ہدایات دینا شروع کر دیتی۔ کبھی کبھار اگر کسی مہمان نے دوپہر کے کھانے میں شرکت کرنا ہوتی تو یہ بات چیت لمبی ہو جاتی۔ وہ کام والی لڑکی کے ہاتھوں میں دبے ہوئے بی بی صاحبہ کے پیروں پر نظریں گاڑے رکھتا۔

انہی دنوں ناصر کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ اس کو عجیب سے دورے پڑنے لگے اور تشنج سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے، آنکھیں ابل کے باہر آجاتیں اور وہ اول فول بکنے لگتا۔ منہ سے جھاگ نکلتا، مگر کچھ دیر کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔

وہ چھٹی لے کر گھر آگیا۔ گھر آکے وقتی طور پر وہ سنبھل گیا۔ مولوی صاحب سے دَم کرایا گیا، تعویذ گلے میں لٹکائے گئے، پھر اس کے جہاندیدہ باپ نے اس کا مرض دور کرنے کے لیے ایک اور نسخہ چنا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی شادی کر دی جائے تاکہ گھر والی آکر اس کا خیال رکھ سکے۔

وہ صحت بہتر ہونے پر واپس اپنی ڈیوٹی پر آگیا کہ شادی کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی اور وہ دو ماہ سے گھر بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے آنے تک کابل خان نے کافی حد تک باورچی خانہ سنبھال لیا تھا۔ اب اس نے ہر بات پر حیرت کا اظہار کرنا چھوڑ دیا تھا، کیونکہ رفتہ رفتہ وہ ہر بات کا عادی ہو گیا تھا۔

ناصر کے آنے سے وہ بہت خوش ہوا تھا۔

ناصر نے آتے ہی صاحب کو اپنی شادی کی خبر سنائی تھی اور مدد کرنے کے لیے بھی کہا تھا۔

"ناصر! نادیہ ہماری پیاری بیٹی انگلینڈ سے آرہی ہے۔ وہ اور اس کے بچے تمھارے ہی ہاتھ کے کھانے کے عادی ہیں۔ ابھی دو ماہ تک تو تمھیں گھر جانے کی بالکل اجازت نہیں۔"

شاہ نواز صاحب نے کہا۔

"اور اپنی غیر حاضری کی بھی تنخواہ لے لو۔"

"ٹھیک ہے صاحب!"

اس نے سر جھکا دیا۔

شب و روز پھر وہی پہلے کی طرح گزرنے لگے۔ اب فرخندہ کے ساتھ نادیہ بھی بے تکلفی سے باورچی خانے میں آدھمکتی۔ بغیر دوپٹے کے، چھوٹی سی قمیص اور پتلون میں۔

فرخندہ کے وہی شب و روز تھے۔ دوپہر کے وقت اٹھتی، نہا دھو کے خوشبو میں بسی ناکافی کپڑوں میں باورچی خانے کے دو چار چکر لگا کے گاڑی نکالتی اور دونوں ماں بیٹی گھومنے

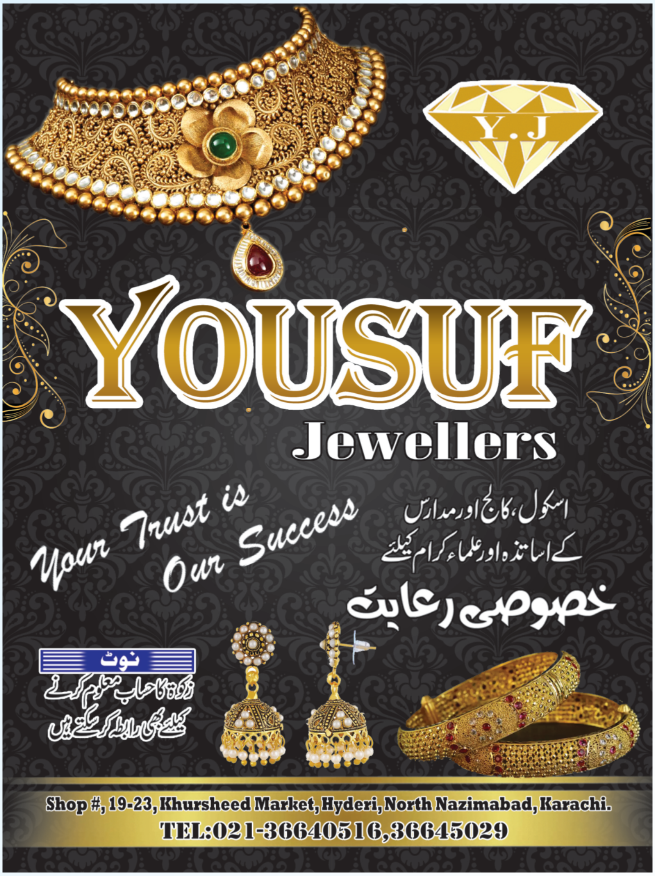

نکاح کا پیغام

عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی امّ اَبان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے انکار کر دیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام بھیجا تو انکار کر دیا، پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تو قبول فرمالیا۔

جب نکاح ہو رہا تھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پردے کی اوٹ میں خاتون سے پوچھا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتے داروں سے نکاح کرنے سے تو تُو نے انکار کر دیا اور طلحہ سے ہامی بھر لی، کیوں؟''

انھوں نے جواب دیا:

''جیسے اللہ کی مرضی! خیر طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ہم سے اچھا ہے۔''

بعد میں ام ابان نے خواتین میں بتایا کہ عمر کے ساتھ زندگی گزارنی بہت سخت ہوتی۔ علی کے پاس صرف محبت ہی ہے، زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف لاٹھی ہے جبکہ طلحہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا مزہ ہے، کیونکہ وہ ہنستے ہوئے گھر میں آئیں گے اور ہنستے ہوئے گھر سے نکلیں گے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حسنِ معاشرت کے باعث اپنی بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے۔ وہ اپنے کنبے میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، جس کا شہرہ شہر بھر میں تھا۔ اس کا اندازہ صرف اسی واقعے سے لگا لیجیے کہ عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی سے بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی لیکن انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب پر ترجیح دی اور پوچھنے پر کہا:

''میں ان کے اوصافِ حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر ہنستے ہوئے آتے ہیں اور مسکراتے ہوئے جاتے ہیں۔ کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے اور اگر کوئی کام اُن کا کر دو تو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔''

خواتین کو تو اکثر لوگ گھر خوش اسلوبی سے سنبھالنے کے لیے نصیحتیں کرتے ہیں، کیا خود بھی نصیحت حاصل کرتے ہیں؟

حافظہ امامہ

پھرنے چلی جاتیں۔

بچوں کو کبھی کارٹون لگا کے گھر میں ناصر اور کابل خان کے حوالے کر جاتیں اور کبھی ساتھ لے جاتیں۔ ننھی حفصہ اکثر ضد کرتی کہ چاچا ناصر یا چاچا کابل خان اسے باہر کی سیر کروا لائیں تو وہ اسے اٹھا کر باہر گھمانے نکل جاتے۔ زندگی یوں ہی رواں دواں تھی۔

☆......☆

اس اتوار کو شاہ نواز صاحب نے اپنے گاؤں میں اپنے فارم ہاؤس پر سب کو ویک اینڈ گزارنے کی دعوت دی تھی۔ وہ خود کئی دن پہلے سے ہی گاؤں چلے گئے تھے۔ آج جمعہ کے دن شہر سے سارے رشتے دار اور دوست احباب بھی پہنچ رہے تھے۔ دو تین شاندار گاڑیوں کا انتظام تھا۔ باقی لوگ اپنی اپنی گاڑیوں پر جا رہے تھے۔ نادیہ اور بچے مدت سے خالہ کی طرف تھے اور اُدھر ہی سے جانے کا ارادہ تھا۔ ان کے دونوں بیٹے اپنے ہاسٹل سے سیدھے اُدھر ہی پہنچنے والے تھے۔

ناصر اور کابل خان بھی ان کے ساتھ جا رہے تھے۔

فرخندہ نے ساتھ لے جانے والی کھانے پینے کی اشیا پر نظر ڈالی اور ان دونوں کو گاڑیوں میں رکھنے کی ہدایت دیتی ہوئی اندر آ گئی۔

''اوہ خدایا!'' اسے یاد آیا کہ نادیہ کی تو ساس بھی جا رہی ہیں۔ ان کے کپڑے تو لیے ہی نہیں۔ ایک ہی بیٹی ہے۔ اس کی ساس کو خالی ہاتھ کیسے بھیجیں گے۔ گھر میں کچھ سوٹ رکھے تو ہیں، مگر وہ ان کے شایانِ شان نہیں۔ اب کیا کروں؟ بازار تو جمعے کی نماز کے لیے بند ہو گئے ہوں گے۔ اچھا بہن کو فون کر کے معلوم کرتی ہوں کہ بازار کس وقت کھلیں گے۔

بہن نے بتایا کہ جمعے کی نماز کے آدھے گھنٹے بعد دکانیں کھل جائیں گی تو میں آپ کو لینے آ جاؤں گی۔ کپڑے خرید کے ہم سیدھے ہی نکل جائیں گے۔ نادیہ اور بچے باقی سب کے ساتھ کوچ میں جانا چاہ رہے ہیں کہ راستے میں ہلا گلا کرتے جائیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

لاؤنج میں ہلکا سا اندھیرا تھا۔ وہ اپنے خوب صورت شیفون کے گلابی لباس میں بہت تر و تازہ لگ رہی تھی۔ اس نے ڈھیر سارا پرفیوم اپنے اوپر انڈیلا اور مسکرائی۔ کون کہتا ہے کہ پچاس کے بعد عورت بوڑھی ہو جاتی ہے۔ اس کی دل کشی ابھی تک برقرار تھی۔ وہ جس محفل میں بھی جاتی، سراہتی نگاہیں اسے اور بھی اپنے آپ پر توجہ دینے پر مجبور کر دیتیں۔

اس نے پیر میز پر رکھ کر آنکھیں موند لیں اور نجانے کب وہ نیند کی وادی میں اتری کہ اسے خبر تک نہ ہوئی۔

''ناصر بھائی! میں نماز پڑھ کے ابھی آیا'' کابل خان نے ناصر کو اطلاع دی جو اپنے دھلے ہوئے کپڑے پہن کے جوتے پالش کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں گاڑی میں رکھنے والا سامان اور بی بی کا سامان گاڑی میں رکھتا ہوں۔ تم جمعے کے بعد جلدی آ جانا۔''

''ٹھیک ہے۔'' کہہ کر کابل خان نے باہر کی راہ لی۔

ناصر نے باورچی خانے سے کھانے پینے کی اشیا باہر برآمدے میں جمع کیں اور پھر لاؤنج اور باورچی خانے کے درمیانی دروازے سے گزر کے لاؤنج میں آ گیا۔ وہ روشنی سے آیا تھا۔ اس لیے شروع میں اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اوپر بی بی کے کمرے سے بی بی کا سامان اٹھانے جا رہا تھا، تب اس کی نگاہ پڑی اور پھر شیطان اس پر حاوی ہو گیا۔

اس نے اپنا جیبی ریڈیو نکالا، اور فل آواز میں کھول دیا۔

☆......☆

فرخندہ کی دَم توڑتی ہوئی سانسوں اور ختم ہوتے ہوئے حواس نے جو آخری الفاظ میز پر رکھے ریڈیو کے ابھرتے ہوئے شور سے سنے۔ وہ سارے تو اس کے حواس سمجھ نہیں سکے مگر جو آخری وقت اس کے کانوں میں پڑ رہے تھے، وہ کچھ اس طرح تھے:

''مومن عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے

دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔‘‘

☆......☆

’’آپا......!‘‘

فرخندہ کی بہن مائرہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو اسے آوازیں دینے لگی۔ لاؤنج کا باہر برآمدے میں کھلنے والا دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر آگئی تو روشنی سے اندھیرے میں آنے سے آنکھیں کچھ دیر دیکھنے کے قابل نہ رہیں۔ پوری آواز سے ریڈیو چل رہا تھا۔

اسے الجھن سی ہوئی۔

’’آپا‘‘ اس نے پھر آواز دی اور ساتھ ہی دیوار پر ہاتھ مار کے لائٹ جلادی۔ تب اچانک اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

کچھ ایسا جو بہت خوف ناک تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس کی آپا کی سنہری لٹیں یہاں وہاں بکھری ہوئی تھیں۔ لاؤنج کے ساتھ والے بیڈروم سے اسے اس کے پیروں کی ایک جھلک نظر آئی۔ وہ بھاگتی ہوئی وہاں پہنچی تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

’’بی بی! بی بی!‘‘

کابل خان باورچی خانے کے دروازے میں کھڑا آوازیں دے رہا تھا۔

مائرہ کو اپنے حواس مجتمع کرنے پڑے۔

’’نہیں۔ نہیں، ایسے نہیں۔ کسی کو کچھ بھی خبر نہیں ہونی چاہیے، نہیں تو ابھی پریس اور میڈیا میں سب کچھ آجائے گا۔‘‘

وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹنے لگی۔

’’کک......کابل خان۔‘‘

اس نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا: ’’تم اپنے کوارٹر میں بیٹھو، آپا ابھی تمھیں بلاتی ہیں۔‘‘

اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں اور لرزتی آواز کسی اور ہی چیز کا پتا دے رہی تھی۔

لاؤنج میں بکھری بالوں کی سنہری لٹیں اور اپنی جگہ سے ہٹا ہوا فرنیچر دیکھ کر وہ چپ چاپ کمرے میں لوٹ آیا۔

’’میں ناصر بھائی سے بات کرتا ہوں۔‘‘ اس نے سوچا۔

’’ناصر بھائی!‘‘ اس نے اس کے کمرے کے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر بکھرے ہوئے کپڑے اور سامان یوں پڑا تھا، جیسے کوئی افراتفری میں بھاگا ہو۔

وہ سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

’’اوہ ناصر بھائی! تم نے یہ کیا کر دیا۔ ہم تو تم کو فرشتہ سمجھتا تھا۔‘‘

مگر کابل خان کو کیا پتا کہ کوئی بھی فرشتہ نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ خود فرشتہ نہ بننا چاہے۔

☆......☆

مائرہ نے کانپتے ہاتھوں سے فرخندہ پر چادر ڈالی اور پھر اپنے بہنوئی کو فون کرنے لگی۔

شام کو خبروں میں یہ خبر بھی نمایاں تھی کہ ایک ممتاز صنعت کار کی بیوی کو اس کے باورچی نے اس لیے قتل کر دیا ہے کہ صنعت کار کی بیوی نے اسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔‘‘

☆☆☆

مشکل ہوئی زندگی!

انیسہ عائش۔ ٹیچر کالونی، کوٹ رادھا کشن

میں نے خواتین کا اسلام میں پردے سے متعلق ایک تحریر پڑھی تو بہت روایتی سی لگی کہ کس طرح مصنفہ کو شرعی پردے کی راہ میں رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔

''شاید یہ مجھے روایتی تحریر اس لیے لگی ہے کہ اس ضمن میں میری اپنی کہانی بہت غیر روایتی سی ہے۔''

میں نے سوچا اور پھر سوچوں کی رواں دواں ندی مجھے بہاتے ہوئے کئی سال پیچھے لے گئی۔ میرے ذہن کی اسکرین پر وہ منظر ابھرا جس میں ایک دبلی پتلی سی چھوٹے قد کی لڑکی اسکارف میں ملبوس دو کلاس جمپ کر کے نویں میں داخلہ لینے کے بعد اکیڈمی میں پہلے دن حاضر ہوئی تو کچھ ہم جماعت لڑکیوں سے اس طرح کے جملے سننے کو ملے: ''او چھوٹی لڑکی! کس کے ساتھ آئی ہو؟''

اور جب انھیں پتا چلا کہ یہ چھوٹی لڑکی اُن کی ہم جماعت ہے تو وہ سب تو جیسے ہکا بکا رہ گئیں، مگر ساتھ ہی خوش بھی ہوگئیں کہ سامنے والے انکل کی دکان سے کھانے پینے کی چیزیں منگوانے کے لیے انھیں ایک سہارا نظر آ گیا تھا۔

اگر چہ یہ معمول چند ہفتوں کے بعد ہی آپی کے علم میں آنے اور ڈانٹ پڑنے کے بعد ختم ہوگیا مگر میرا کلاس کی سب سے چھوٹی لڑکی ہونے کا اعزاز یوں ہی برقرار رہا بلکہ میرے ذہن میں بھی راسخ ہوگیا۔

دسویں پاس کر کے میں فرسٹ ائیر کی طالبہ بن گئی۔ میرے معمول میں کوئی فرق نہ آیا سوائے اس کے کہ اب اسکارف کی جگہ اسٹالر نے لے لی۔ ایک دن بابا کے دوست مع اپنی بیگم ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں اس وقت اکیڈمی کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ان کے سامنے ہی امی جان کو الوداعی سلام کہتی باہر کا رخ کرنے لگی تھی کہ آنٹی کے کہے گئے جملوں نے میرے قدموں کو زنجیر کر دیا۔

''یہ پردہ نہیں کرتی۔ ماشاءاللہ فرسٹ ائیر میں ہے، بڑی ہوگئی ہے، اب تک ایسے ہی اکیڈمی جاتی ہے؟''

ان کا انتہائی نرم لہجہ بھی مجھے ناگوار گزرا۔ میں حیرت زدہ سی زینہ پار کر گئی۔

امی خفت زدہ سی ہلکی آواز میں انھیں نجانے کیا کہہ رہی تھیں۔ کچھ دنوں بعد پھپو کی آمد ہوئی۔ وہ دو چار روز ہمارے ہاں ٹھہریں، انھوں نے میرا معمول دیکھا اور آپی کو بٹھا کر نجانے کیا سمجھایا کہ پھپو کے جانے کے بعد آپی ہمارے سر ہوگئیں کہ پردہ کرنا شروع کرو۔

ہمارا ایک ہی جواب تھا: ''آپی! ابھی تو میں چھوٹی ہوں۔''

مگر آپی نے دلائل کے انبار لگا دیے۔ ہم نے اپنی ہم جماعتوں کو بتایا تو اُن کا ردِ عمل کچھ یوں تھا:

''ہائیں تم عبایا پہن کر کیسی لگو گی؟ شاید چھوٹی سی خاتون!'' ندا ہنسی۔

''ایک بار پہن لیا تو تا عمر گلے لگانا پڑے گا۔ ابھی تو تم چھوٹی ہو تھوڑے دن اور آزادی کے گزار لو۔ ایف ایس سی کے بعد شروع کر لینا۔''

یہ ایمان کا تبصرہ پلس مشورہ تھا۔

''یار! ایمان ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اتنی گرمی میں بھی ہم یہ چولا چڑھائے بیٹھے ہیں۔ اس کی وجہ سے پسینے بہہ رہے ہیں۔ کم از کم گرمی کا سیزن تو گزر جانے دو۔''

عبایا میں ملبوس اقصیٰ گرمی سے بے حال ضبط کی آخری حدوں پر تھی۔

ادھر آپی نے پہلے پہل پیار سے سمجھانے کے بعد دو ٹوک انداز میں ٹوکا تو میں اُن سے خفا ہوگئی۔

آلو محفوظ کرنے کا دیسی ٹوٹکا

آلو گلگت بلتستان میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی سبزیوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے اسے ذخیرہ اندوزی کرنے کا دیسی انداز بھی نرالا ہے۔ آیئے آج ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ آلو کو کس طرح سال بھر کے لیے محفوظ کیا جاتا ہے تاکہ اسے سال بھر کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

آلو کو زمین سے نکالنے کے بعد کوشش کرتے ہیں کہ اسے زیادہ چوٹ نہ لگے کیونکہ چوٹ لگنے کی صورت میں وہ آلو صرف خراب ہی نہیں ہوتے بلکہ پورے ذخیرے کو خراب کر سکتے ہیں۔ اس لیے اسے نکالنے کے بعد چورونگ (ایک خاص قسم کی ٹوکری جسے لوکل لوگ سامان اٹھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں) میں ڈال کر لایا جاتا ہے اور گھر کے قریب کسی مخصوص جگہ پر گھڑے کی شکل میں کھودائی کر کے اس میں ڈال دیا جاتا ہے، آلو کے اوپری حصے پر بھوسہ ڈال دیتے ہیں اور بھوسے کے اوپر مٹی کو اونچا کر کے ڈال دیتے ہیں، جیسے کسی مسجد کے اوپر قبا کو بناتے ہیں اسی طرح سے بنایا جاتا ہے۔

بلتستان میں عموماً اس گھڑے کی کھودائی گولائی میں کی جاتی لیکن دوسرے علاقوں میں چکور میں بھی کھدائی کی جاتی ہے۔ اس طرح یہ آلو خراب ہونے سے بچ جاتے ہیں اور اسے سال بھر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ریاض احمد ساحل

پھر رمضان آ گیا۔ چاند رات ہی کو مجھے بخار ہوگیا، پھر بھی اگلے دن روزہ رکھ لیا تو سارا دن سر ہی چکراتا رہا۔ میری ابتر حالت دیکھ کر اگلے روز امی نے سحری میں اٹھانے کی بجائے نماز فجر کے لیے اٹھایا تو میں چیخ اٹھی:

’’مجھے روزہ کیوں نہیں رکھوایا، روزہ فرض ہے۔‘‘

’’کل تمھاری طبیعت اتنی بگڑ گئی تھی آج اس لیے نہیں رکھوایا اور رہی بات فرض کی تو فرض تو پردہ بھی ہے، اِس فرض کی فکر تمھیں کتنی ہے؟‘‘

سادہ طبع امی کا ترکی بہ ترکی جواب سیدھا میرے دل میں جا گھبا۔

’’اوہو اب تو امی نے بھی طنز کرنا سیکھ لیا!‘‘

میں غصے سے پیچ و تاب کھاتی رہ گئی۔

ایک ہفتے بعد صفائی کرتے ہوئے میں نے گرد و غبار سے بچنے کے لیے دوپٹے کا نقاب کرلیا اور جھاڑن اٹھالی۔ ننھے سعد نے دیکھا تو بول اٹھا:

’’آپی کو دیکھو، باہر تو نقاب کر کے جاتی نہیں اب گھر میں نقاب کر رہی ہیں۔‘‘

اس کے انداز پر ساتھ کھڑی رویحہ اور گڑیا کی ہنسی نکل گئی اور میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر چٹاخ سے تھپڑ جڑ دیا۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا۔

چچی باہر آئیں۔ ’’ایسا بھی کیا کہہ دیا بچے نے، جو دیکھا وہی کہہ رہا ہے۔‘‘

اُن کی دبی دبی بڑبڑاہٹ میرے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

’’آہ کیسے بوجھل اور عجیب سے دن تھے وہ بھی۔‘‘

میں نے بے ساختہ جھرجھری لی۔

میں آپی اور امی سے خائف ان سے بات نہ کرتی، وہ بھی مجھ سے ضرورت سے زیادہ بات نہیں کر رہی تھیں تو دوسری طرف اپنے ننھے ساتھیوں کو میں نے خود خفا کر دیا تھا، سو سارا دن گھر میں بولائی بولائی سی پھرا کرتی۔ کوئی بات کرنے والا نہ ملتا اور میں صحیح معنوں میں وقت گزارنے کی بجائے وقت کاٹنے کی اصطلاح سے واقف ہوگئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ پردے سے خائف تھی یا ناگوار گزرتا تھا یا یہ کہ پردہ میرے لیے نئی چیز تھا۔ ایسا بالکل نہیں تھا۔ ہمارے خاندان کی ساری عورتیں شرعی پردہ کرتی تھیں۔ میں خود شرعی پردے کے احکامات کو دل سے تسلیم کرتی اور اُن پر عمل کرنے کی خواہاں بھی تھی مگر میرا کہنا تھا کہ ابھی نہیں، F.Sc کے بعد یعنی مجھے دو سالہ مہلت درکار تھی۔

دراصل دو برسوں سے ’چھوٹی چھوٹی‘ کا تصور ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اتنی جلدی اتر جانے والا تھوڑی تھا۔ میں خود کو سب سے چھوٹی تصور کرتی رہی، لیکن یہ میرا مسئلہ تھا، آپی اور امی کا نہیں تھا۔

بہرحال ان کے سمجھانے پر میں نے پہلے پہل عبایا پہنا پھر نقاب بھی شروع کر دیا۔ میری سہیلی نے پوچھا کہ کیا ’شرعی پردہ‘ شروع کر دیا یا ’صرف پردہ؟‘ تو میں سوچ میں پڑ گئی۔

ہمارے ہاں اب تک زنان خانہ، مردان خانے کا تصور ہے۔ کزن کا آنا جانا بھی ممنوع، تقاریب بھی سادہ اور اسی اصول کی حامل اور باہر تو میں نقاب کرتی ہی ہوں۔ یوں شرعی پردہ ہی ہوا۔ پھر اگلے دو سال میں، میں اتنی پردہ دار ہوگئی کہ میری سہیلیاں باقاعدہ مجھ سے لڑتیں کہ منہ کھول لو ورنہ کسی دن یوں ہی دَم گھٹ جائے گا مگر مجھے معلوم تھا کہ ہماری اکیڈمی میں دروازہ بند کرنا ممنوع تھا اور ہمارے ایڈمن اکثر راؤنڈ پر ہوتے تھے (ابھی کیمرے نہیں لگے تھے) تو احتیاط کرنا میری مجبوری تھی۔ یوں بھی اب عبایا کے باوجود گرمی کی شدت میرے لیے قابلِ برداشت ہوگئی تھی۔

عبایا میرے لیے ’کمفرٹ زون‘ بن گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ مجھے تب ہوا جب میں نے انسٹیٹیوٹ کو جوائن کیا۔ وہاں عبایا کی اجازت نہیں تھی کہ بقول پرنسپل باڈی لینگویج اور فیس امپریشنز بھی بچوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ خیر وہاں ضرورت بھی نہیں تھی کہ وہاں سارے کا سارا اسٹاف خواتین پر مشتمل تھا۔ ٹیچرز، آیا اور کینٹین والی آنٹی! بس دروازے پر چوکیدار تھا۔

بہرحال بات ماننا پڑی مگر اتنا عرصہ سہیلیوں کے ساتھ عبایا میں رہنے کے بعد اس وقت بہت ہی عجیب محسوس ہوا۔ تقریباً دو ماہ لگے مانوس ہونے میں۔

تو بہنو! ہے نا عجیب روداد کہ پردہ نہ کرنے پر بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے!

اسی لیے مجھے وہ تحریریں جن میں پردہ کرنے پر مشکلات کا سامنا کرنا پرتا ہے، بہت روایتی سی لگتی ہیں۔

☆☆☆

داخلے جاری ھیں

ONLINE QURAN ACADMEY

بچوں کو گھر بیٹھے آن لائن قرآن پڑھوائیں

خوشخبری

خوشخبری

خوشخبری

جو افراد ابھی تک قرآن مجید ناظرہ بمعہ تجوید نہیں سیکھ سکے ان کیلئے نادر موقع

☆ ترجمہ و تفسیر، حفظ القرآن الکریم مع تجوید

☆ ناظرہ قرآن کریم مع تجوید، نورانی قاعدہ

☆ نماز اور ابتدائی مسائل

☆ مسنون دعائیں اور چالیس احادیث

رابطہ نمبر: 923045086970+

قرض دو تو لکھ لو!

انتخاب: ام ماریہ۔ کراچی

کیا آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت آیتِ قرض ہے جو سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے۔

معاملات کی لکھت پڑھت نیز گواہ مقرر کیے جانے کی تاکید آئی ہے۔

اس سے معاملات سیدھے رہتے ہیں اور دلوں میں فرق نہیں آتا۔ ابن جریج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے۔

قرض کے معاہدے کو تحریر کرنا مشروع عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم بھی دیا ہے:

مفہوم: اے ایمان والو جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے ادھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

قرض کے معاہدے کو لکھنے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد پنہاں ہیں:

۱۔ اس سے مال محفوظ ہو جاتا ہے اب کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ میں نے قرض نہیں لیا۔

۲۔ تنازعات اور اختلافات ختم ہو جاتے ہیں، کیونکہ بعض دفعہ مکرنے والا پورے قرض سے نہیں مکرتا بلکہ فریقین میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ کتنی رقم دی گئی تھی، اور اس کی واپسی کا کیا طریقہ کار طے تھا؟ جس سے فریقین میں نہ ختم ہونے والے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر قرض کا معاہدہ لکھا ہوگا تو ظاہر ہے اس میں قرض کی رقم، اس کی مدت، ادائیگی کا طریقہ کار اور وقت ضرور تحریر ہوگا جس سے نزاع ختم ہو جائے گا۔

۳۔ لکھ لینے سے فاسد و باطل معاملے سے بچاؤ ممکن ہو جاتا ہے۔ شکوک شبہات سے بچا جا سکتا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تھوڑے قرضے کو بھی لکھا جائے؟

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑی خرابی در آئی ہے کہ لوگ کم قرض کو لکھتے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ بھائی چند سو ہی تو ہیں، لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یا پھر اس وجہ سے بھی نہیں لکھتے کہ جس کو قرض دے رہے ہیں وہ بڑا نیک یا قریبی رشتے دار ہے۔ دینے والے کو اس پر اندھا اعتماد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی اعتماد بعد میں بداعتمادی میں بدل جاتا ہے۔ سیکڑوں لوگ اس وجہ سے رو رہے ہیں کہ انھوں نے کسی شخص کو محض اعتماد کی بنا پر قرض دیا اور کوئی لکھت پڑھت نہیں کی مگر اگر شرعی اصولوں کو دیکھا جائے تو قرض کے لکھنے کے جو احکامات ہیں یہ سب سے پہلے صحابہ کرام پر نازل ہوئے اور قرآن کریم کے سب سے پہلے مخاطب وہی تھے۔ اور یہ لکھنے کا حکم سب سے پہلے انہی صحابہ کو دیا گیا تھا۔ تو کیا کوئی شخص صحابہ کے اعتماد اور امانت میں شک کر سکتا ہے؟

لیکن اس کے باوجود بھی لکھنے کا کہا گیا۔ ہم نے جب شرعی اصول کو چھوڑ کر اعتبار کی فضا میں بسیرا کیا تو وہاں سے ہمارے اعتباروں کو ٹھیس پہنچنے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان بچھڑ گئے، رشتے داریاں ختم ہو گئیں، دوستیاں دشمنیوں میں بدل گئیں، جس کا سبب یہی اندھا اعتماد تھا۔

اور یہ ضروری نہیں کہ لکھی صرف بڑی رقم جائے بلکہ قرآن مجید نے تو حکم دیا کہ:

مفہوم: اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی ہے شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے۔

قرض کے لین دین میں گواہ بنانا بھی مستحب عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مفہوم: اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنھیں تم گواہوں میں پسند کر لو تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔

گواہ بنانے کی حکمت جیسا کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

''اس لیے کہ یہ جھگڑے کے امکان کو دور کرتا ہے اور انکار سے بھی بچاتا ہے۔''

☆☆☆

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اہلیہ محمود الحسن۔ مروٹ

لیلیٰ کے عشق پر مبنی حکایت تو اس کا دیوانہ ہی درست بیان کر سکتا ہے، جو مجنوں نہیں اس کے الفاظ میں وہ اثر کہاں سے آئے گا جو عشق کی انتہاء پر دال ہو۔ یوسف علیہ السلام کے عشق میں کامیاب تو زلیخا ہی قرار دی جا سکتی ہے کہ جس کو بوقت دیدار انگلیاں کٹنے کا بھی احساس نا ہوا اور اگر بات ہو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو یہ تو کائنات کا اعلیٰ ترین عشق ہے۔ کہاں مجھ جیسی سیہ کار اور کہاں عشق رسول؟ جی ہاں! عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرنا تو ان کا حق ہے جو اشارہ ابرو پر جان و مال، اہل وعیال تک قربان کر دیتے تھے۔ جو اپنے خاندان پر بیعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دیتے تھے۔ جن کی سب سے بڑی خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح آرام پہنچانا تھی۔ جو اپنے جسم پر بچھو کے ڈنک برداشت کر لیتے تھے اور جسم میں اس ڈر سے جنبش تک نا ہونے دیتے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نا کھل جائے۔ جو رسول اللہ کے جسم کی ڈھال بن کر اپنے جسم چھلنی کروا لیتے تھے۔ جنہیں اپنے گھر کے شہداء کی فکر نا تھی بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے طلب گار تھے۔ جو صغرسنی کے باوجود عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پنجوں پر کھڑے ہو کر اپنی عمر بڑھایا کرتے تھے۔ جو اسی عشق میں چور، حق پر ہونے کے باوجود اپنے حق سے دست بردار ہو جایا کرتے تھے۔ جن کی زبانوں سے یہ عشق تپتی ریت پر احد احد کہلوایا کرتا تھا۔

لیکن انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سیمینار منعقد کریں، بینر اٹھائیں، تحریریں لکھیں، مضامین شائع کروائیں کہ ان عاشقین کا مقام اس سے بہت بلند تھا۔ وہ ہم جیسے خالی دعوے داروں کے لیے ایسے عملی نمونے چھوڑ گئے کہ تاقیامت ہم لکھتے رہیں تو بھی ان کا احاطہ نا ہو سکے۔ جلسے کر لیں تب بھی سب کچھ بیان نا کر سکیں۔

یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو تھا جس نے باہم دست وگریبان قبائل عرب کو شیر وشکر کر دیا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کو ایک گھاٹ پر لا کھڑا کیا۔ غلام وآقا کے فرق کو مٹا دیا، حکمران وعوام کے درمیان موجود خلیج کو پاٹ دیا۔ آج امت کا شیرازہ جس طرح بکھر چکا ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، ظلم وبربریت کے تمام ریکارڈ ٹوٹ چکے ہیں، طاغوت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے، یہ امت مرحومہ بے چارگی کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ اس سب کا مداوا سچا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ آج اگر ہم اپنے دعویٰ عشق کو عملی جامہ پہنا دیں تو امت میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمیں مسیحا مل سکتا ہے، ظلم کی چکی میں پستی ہوئی اقوام تک انصاف پہنچ سکتا ہے، بس ضرورت ہے مدعی کو عملی ثبوت پیش کرنے کی!

اخروٹ کے فوائد

شمسہ عبدالرحمٰن۔سانگھڑ

اکثر لوگ غذائی احتیاط اور پابندیوں کی بناء پر اخروٹ کھانے سے احتیاط کرتے ہیں جبکہ اخروٹ غذائیت سے بھرپور ہونے کے ساتھ جسم میں ہونے والی کیمیائی عمل سے لے کر دل کی صحت تک کے لیے فوائد مند ہے۔اخروٹ کے بے شمار فائدے ہیں جن کی بناء پر اسے اپنی غذا میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

وزن گھٹانے میں مدد دیتا ہے:

وزن کو مناسب رکھنے کے لیے اخروٹ کو غذا میں شامل کیا جا سکتا ہے۔تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ اخروٹ کا روزانہ استعمال وزن بڑھنے یا موٹاپے سے بچاتا ہے۔ایک اونس اخروٹ میں ڈھائی گرام اومیگا تھری فیٹس، ۴ گرام پروٹین اور ۲ گرام فائبر شامل ہے۔یہ مقدار پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہے۔کم مقدار میں پیٹ کا بھر جانا وزن کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔اخروٹ میں زیادہ کیلوریز ہونے کے باوجود اسے وزن کم کرنے کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

نیند کو بڑھاتا ہے:

ہمارا جسم ایک مرکب میلاٹونن بناتا ہے۔جو دماغ تک روشنی اور اندھیرے سے متعلق پیغامات پہنچاتا ہے جس سے انسان کے سونے اور اٹھنے کا نظام قائم ہوتا ہے۔اخروٹ میں بھی میلاٹونن موجود ہوتا ہے اخروٹ کے استعمال سے خون میں میلاٹونن کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور نیند اچھی آتی ہے اس لیے پرسکون

نیند کے لیے بھی اخروٹ کا استعمال مفید ہے۔

بالوں کے لیے بہترین ہے:

اخروٹ میں بائیوٹن (وٹامن بی ۷) ہوتا ہے جو بالوں کو مضبوط بناتا ہے۔اس سے بال گرنا بند ہو جاتے ہیں۔اس لیے اخروٹ کا استعمال بالوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے:

غذائی پودوں اور میووں میں سب سے زیادہ اخروٹ میں اینٹی اوکسی ڈنٹ پایا جاتا ہے۔جو جسم سے غیر ضروری ریڈیکلز کو ختم کر کے دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے۔اخروٹ میں موجود اومیگا تھری فیٹی ایسڈ جسم میں خراب کولیسٹرول کو کم کر کے اچھا کولیسٹرول بڑھاتے ہیں۔اپنے دل کو صحت مند بنانے کے لیے اخروٹ کو اپنے معمول میں شامل کیجیے۔

ذیابیطس سے بچاتا ہے:

تمام میووں میں ذیابیطس کا خطرہ کم کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ان میووں میں اخروٹ بھی شامل ہے۔ایک تحقیق کے مطابق وہ خواتین جو ہفتے میں دو مرتبہ ۸۲ گرام اخروٹ کھاتی ہیں ان میں ذیابیطس کے امکانات ۵۲ فی صد کم ہو جاتے ہیں۔ماہرین کے مطابق مردوں کے لیے بھی اخروٹ کا استعمال یکساں مفید ہے۔

جلد کو چمکدار بناتا ہے:

اخروٹ میں موجود وٹامن بی اور اینٹی اوکسیڈنٹ جلد کو جھائیوں سے بچاتے ہیں۔اگر آپ ادھیڑ عمر میں بھی جلد کو تروتازہ رکھنا چاہتے ہیں تو اخروٹ کھائیں۔

ڈیمنشیا کو دور رکھتا ہے:

روزانہ اخروٹ کھانے سے ڈیمنشیاء سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔اخروٹ میں وٹامن ای کی موجودگی نقصان دہ ریڈیکل کو ختم کرتی ہے جو ڈیمنشیا کا باعث بنتے ہیں۔

ذہنی دباؤ کم کرتا ہے:

جو لوگ ذہنی دباؤ سے پریشان ہیں وہ اخروٹ کھانا شروع کر دیں۔ماہرین کہتے ہیں کہ اگر غذا میں اخروٹ اور اخروٹ کا تیل شامل کر لیا جائے تو یہ بلڈ پریشر اور اس کی وجہ سے ہونے والے ذہنی دباؤ کو کم کرتا ہے۔اخروٹ میں موجود فائبر، اینٹی اوکسی ڈنٹ، فیٹی ایسڈ وہ تمام چیزیں ہیں جو ذہنی دباؤ کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

ان کے علاوہ ایک مٹھی اخروٹ ہفتے میں تین مرتبہ کھانے سے یادداشت بہتر ہوتی ہے۔تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ اخروٹ کینسر سے ہونے والی اموات میں ۴۰ فیصد جبکہ دل کے عارضے سے ہونے والی اموات کو ۵۵ فیصد تک کم کرتا ہے۔دوسری بیماریوں سے ہونے والی اموات کو دوسرے میوے ۹۳ فیصد کم کرتے ہیں جبکہ اخروٹ ۵۴ فیصد کم کرتا ہے۔

ایسی خواتین جو اخروٹ کو اپنی غذا میں شامل کرتی ہیں ان کے بچوں میں غذا سے ہونے والی الرجی کے امکانات کم ہوتے ہیں۔تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اگر خواتین کی غذا میں خاص قسم کا فیٹی ایسڈ (جو اخروٹ میں موجود ہے) شامل ہو تو ان کے بچوں کا نظام ہضم الگ انداز سے بڑھتا ہے اور اس میں موجود مدافعتی خلیے بیکٹیریا کا زیادہ بہتر انداز سے مقابلہ کر کے بچے کو غذائی الرجی سے بچاتے ہیں۔

☆☆☆

Haft Roza "Khawateen Ka Islam" Regd.No:MC1437

ALBERUNI

وحی کے نور کے بغیر عقل گمراہ ہے

البیرونی ایجوکیشن سسٹم

اعلانِ داخلہ

- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ تعلیم کے ساتھ ساتھ بہترین تربیت بھی حاصل کرے۔
- اگر آپ بہترین عصری تعلیم دینی ماحول میں دینا چاہتے ہیں۔
- اگر آپ اپنے بچے کو فن تحریر و تقریر میں مہارت حاصل کروانا چاہتے ہیں۔
- اگر آپ اپنے بچے کو تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر مند بنانا چاہتے ہیں۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کے آپ کا بچہ بہترین سوئمر اور کراٹے ماسٹر بنے۔

تو آئیے۔

البیرونی ایجوکیشن سسٹم آپ کے بچے کو مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کا بہترین موقع فراہم کر رہا ہے۔

داخلہ فیس میں 50% ڈسکاؤنٹ

جون جولائی کی فیس معاف

امتیازی خصوصیات

- جدید کمپیوٹر لیب
- اسکالر شپ پروگرام
- ماہر و قابل اساتذہ
- کشادہ کلاسیں
- اذان کلاسز
- روبوٹکس کلاسز
- جدید لائبریری
- سوئمنگ پول
- شارٹ کمپیوٹر و ٹیکنکل کورسز
- ویل ایکویپڈ سائنس لیبارٹری
- ہر طالبعلم کے لئے فری طبی سہولیات
- پک اینڈ ڈراپ سروس

کلاس

4th-10th & 11th-12th

+92 317 1771405

/ExploringAlberuni

www.alberuni.edu.pk